سزائے موت کے اسلامی تصور کا جائزہ(حکمت و غایت (

غلام فرید[[1]](#footnote-1) ڈاکٹر صاحبزادہ باز محمد [[2]](#footnote-2)

Abstract

*The death penalty is one of the core issues in all parts of the world. In many countries which continue to carry out execution the death penalty has become a taboo subject. Government frequently use sharia to justify why they retain and apply capital punishment. The objective of sharia are to protect the “Five indispensables”. Which are the fundamental principles which underlie the application of law in Muslim society. Therefore all laws were revealed in the Quran to preserve the five indispensable, which are: the protection of life, the protection of religion. The protection of offspring. The protection of property and the protection of an individual’s intellect. Among the misconceptions about Sharia law is the belief that there is a clear and unambiguous statement of what the punishment are for particular offences. In fact, there are several different sources referring to punishments, and different schools of Sharia law give different weights to them. There is a belief that Islamic judges are required to impose a fixed and predetermined punishment for certain offences without discretion or without permitting mitigating evidence to be admitted into court. This is not true. Additionally, there is also the belief that sharia law is widely used in national legislation and practice in Islamic countries, in which the religious courts implement various aspects of Sharia Law.*

شریعت کے قوانین اپنی نوعیت اور اصل کے اعتبار سے مصالح انسانی پر مبنی ہیں، جن کے پیش نظر فرد اورمعاشرہ کے بگاڑ کو رفع کرکے اس کی اصلاح کرنا ہے۔ شرعی قوانین کی یہ نوعیت عین انسانی فطرت کے تقاضوں کے موافق ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس کے احکامات انسانی فلاح و ارتقا کا باعث ہیں۔ شرعی احکام کی اس حکمت کا عکس انسانی قوانین میں بھی نظر آتا ہے۔ اس فطرت انسانی کو قرآن حکیم میں کچھ اس انداز سے بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ"1

"پس تم اپنا رخ یکسو ہو کر دین حنیف کی طرف کرو۔ اس دین فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

احکام شرعی کے ساتھ انسانی فطرت کی موافقت دین حنیف سے عبارت ہے اس حقیقت کو بڑی عمدگی کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے :

" یہ عین تمھاری فطرت کا بروز اور تمھارے اپنے باطن کا خزانہ ہے جو تمھارے دامن میں ڈالا جارہا ہے "2

فطرت کی اس خیررسانی اور مصالح کی رعایت کا قانون جملہ مخلوقات اور اشیا کو محیط ہے۔ انسان کو چونکہ آزادی ارادہ اور اختیار حاصل ہے اور وہ ارادی اور اختیاری طور پر اس قانون کی موافقت اختیار کرنا یا اس کی مخالفت اختیار کرکے فساد فی الارض کا مرتکب ہو تا ہے۔ انسان کو اس فطرت سلیم پر قائم رکھنے کے لیے انسانوں کو شارع حکیم کی طرف سے احکامات دیئے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت قرآنی کو مزید سمجھنے کے لیے تفسیر ضیا القرآن سے اس کی تفسیر ذیل میں یوں بیان کی جارہی ہے :

"دین اسلام عقل سلیم سے کلیتہً ہم آہنگ اور فھم صحیح کے عین مطابق ہے اسی لیے فطری طور پر انسان نہ اس سے منہ موڑ سکتا ے اور نہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔"3

اس قانون کے پیش نظر سزا اور اس کاتعین ایک حساس مسئلہ رہا ہے جس پر انسان ہمیشہ سے ہی افراط و تفریط کا شکار ہوتارہا ہے۔ گویا کہ اس معاملے میں انسان فطرت سے انحراف کا مرتکب ہو کر اپنے سماج کی تباہی کا ذمہ دار قرار پایا ہے۔ اس لیے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں ہی حل ہوا ہے اور اس کی فروعات کا تعین بھی انہی احکامات کی روشنی میں ہوا۔ کیوں کہ دین فطرت ہونے کی باوصف احکامات شرعیہ انسانی مصالح پر مبنی ہیں۔ ان مصالح کی وضاحت امام شاطبی نے کچھ یوں واضح کی ہے :

”تکلیف شرعیہ خلقت میں اپنے مقاصد کی حفاظت کی طرف لوٹتی ہیں اور تین اقسام سے زیادہ نہیں۔ پہلی قسم یہ کہ وہ ضروریہ ہو، دوسری قسم یہ کہ وہ حاجیہ ہو اور تیسری قسم یہ کہ وہ تحسینیہ ہو“۔4

جس طرح ایک ماہر طبیب اپنے مریض کو موذی مرض سے بچانے کے لیے انجکشن لگاتا ہے، دوا تجویز کرتا ہے اور انتہائی نوعیت کے امراض میں آپریشن کرتا ہے۔ یہ تمام کام وہ اپنے مریض کی جان بچانے کی خاطر کرتا ہے۔اسی طرح شریعت کے احکام بھی مصالح انسانی پر مبنی ہیں ان کے پیش نظر بھی انسانی مصلحت ہوتی ہے اور انسان کو ہلاکت و بربادی سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔ ذیل میں سزائے موت کے اسلامی تصور کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے، تاکہ سزائے موت کے احکام و مسائل اور حکمت و غایت پر روشنی ڈالی جا سکے۔

سزائے موت بطور قصاص مشروعیت:

لغوی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو قصاص کے لغوی معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا، کسی کی قدم با قدم پیروی کرنا۔ سزائے موت کی مشروعیت پر بحث کرنے سے پہلے قصاص کے لغوی معنی جاننا ضروری ہے تاکہ قصاص سے متعلق درست تفہیم حاصل کی جاسکے نیز اس کے حکمت کے جاننے میں آسانی ہو۔ اس ضمن میں جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے بڑی عمدہ تصریح فرمائی ہے جو ذیل میں درج کی جارہی ہے :

" قصاص کے لغوی معنی تو بڑے دلچسپ ہیں، یعنی کسی کے نقش قدم پر قدم رکھ کر چلنا۔ اگر کوئی شخص ریگستان میں جارہا ہو اور اس کے

قدموں کے نشان ریت پر پڑرہے ہوں اورآپ ان نشانات پر پاؤں رکھ کر چلتے جائیں تو اس عمل کو عربی زبان میں قصاص کہتے ہیں۔ اس عمل میں ایک چیز بڑی اہم ہے۔ وہ یہ کہ جیسا اصل نقش تھا اسی کے مطابق آپ نے پاؤں رکھا، انگوٹھے کی جگہ انگوٹھا، انگلی کی جگہ انگلی اور تلوے کی جگہ تلواآجائے۔ اس کو قصاص کہیں گے۔ گویا دو چیزوں کے ایک دوسرے سے مکمل طور پر مماثل ہونے کے عمل کو عربی زبان میں قصاص کہتے ہیں۔ چونکہ قصاص کا فنی مفہوم بھی یہی ہے کہ جیسا جرم ہوا تھا اسی طرح کا عمل مجرم کے ساتھ کیا جائے۔ اس لیے اس فعل کو قصاص کہتے ہیں۔"5

جرائم کی سزاوں کے متعلق انسان ہمیشہ سے افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس کے درست تعین میں غلطی کرتا رہا ہے اس لیے جرائم کی سزاوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے احکامات دیئے اور شارح شریعت رسول اللہ ﷺ نے شریعت کے ان قوانین کی روشنی میں فروعی احکام وضع فرمائے۔ سزائے موت بطور قصاص کی حجیت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ قصاص سے متعلق جملہ احکام و مسائل کی وضاحت فقہائے کرام نےانہی ادلہ تفصیلیہ کی روشنی میں فرمائی۔ قصاص سے متعلق اصولی احکام کا نزول ہوا جس سے قصاص کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آَمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى"6

”اے ایمان والو!تم پر قصاص فرض کیا گیا ان لوگوں کا جو مارے جائیں، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت.........“۔

قصاص سے مراد وہ شرعی ضابطہ ہے جو قتل عمد کے سلسلے میں جان کے بدلے جان سے عبارت ہے۔ مذکورہ

بالا نص قرآنی میں قصاص کی اصطلاح کو فقہ کے تناظر میں سمجھنا لازمی ہے۔ ذیل میں اس تعبیر کی درست تفہیم کے لیے مولانا سلامت علی خان صاحب کی کتاب سے ایک اقتباس رقم کیا جارہا ہے جس سے اس تعبیر کی درست تفہیم

میں مدد مل سکے گی مولانا صاحب کچھ یوں رقمطراز ہیں :

یجب القود ای القصاص بقتل کل محقون الدم ابد ای بسبب قتل کل معصوم الدم احتزر بہ عن

الحربی والمرتد وبقولہ علی التابید عن المستامن لان دمہ غیر محقون علی التابید عمدا حال من القتل فقید بہ لان فی غیر العمد لا یجب القصاص۔ "7

"قصاص اس شخص کے مارڈالنے سے واجب ہوتا ہے جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہو یعنی حربی، مرتد اور مستامن نہ ہو بشرطیکہ وہ قتل قصدا ہو کیوں کہ جو قتل بالقصد نہ کیا گیا ہو اس میں قصاص نہیں ہے۔"

رب علیم و حکیم نے قصاص کو مصالح انسانی کے پیش نظر مشروع فرمایا، تاکہ پوری انسانیت ہلاکت و بربادی سے بچ سکے۔ "کتب علی" کے ذریعے قصاص لینے کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مخاطب پورا اسلامی معاشرہ ہے یا باالفاظ دیگر اسلامی حکومت ہے، کہ وہ انسانی جان کو تحفظ فراہم کرے چانچہ ایک اسلامی حکومت کا سب سے مقدم فریضہ تحفظ جان ہے۔ اس آیت کی بڑی عمدہ تفسیر جناب مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے:

"اس حکم کا مخاطب پورا اسلامی معاشرہ بحیثیت مجموعی یا باالفاظ دیگر اسلامی حکومت ہے، اس کے اوپر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ اس کے

علاقہ میں اگر کوئی قتل ہو جائے تو اس کے قاتلوں کا سراغ لگائے ان کو گرفتار کرے اور قانون کے مطابق ان پر سزا نافذ کرے۔ " 8

قصاص کی مشروعیت کی حکمت بھی مذکورہ بالا آیت میں واضح کر دی گئی ہے جس کو مولانا سید ابو الاعلی مودودی نے بڑے عمدہ انداز میں واضح فرمایا ہے:

" یہ ایک دوسری جاہلیت کی تردید ہے جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی اور آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔ جس طرح اہل جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے پہلو میں افراط کی طرف چلا گیا، اسی طرح ایک دوسرا گروہ عفو کے پہلو میں تفریط کی طرف گیا ہے اور اس نے سزائے موت کے خلاف اتنی تبلیغ کی ہے کہ بہت سے لوگ اس کوایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے متعدد ملکوں نے اسے بالکل منسوخ کر دیا ہے۔قرآن اسی پر اہل عقل کو مخاطب کرکے تنبیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائٹی کی زندگی ہے جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھہراتی ہے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے۔"9

اس نص قرآنی کو مزیدوضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے تفسیر قرطبی سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سےاس مسئلے کی خوب وضاحت ہوجائے گی:

"اس میں کوئی اختلاف نہیں قتل کا فیصلہ اولی الامر حاکم کرے گا۔ ان پر قصاص کا قائم کرنا اور حدود کا قائم کرنا فرض کیا گیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو قصاص کے ساتھ خطاب فرمایا۔ پھر تمام مسلمان تو قصاص پر جمع نہیں ہوسکتے تو انھوں نے سب کاقائم مقام سلطان کو کیا کہ وہ قصاص اور حدود قائم کرے۔"10

رسالت مآبﷺ کے اقوال و افعال سے بھی قصاص کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے آپﷺ نے حکمت شریعت کی روح کے عین موافق قانون قصاص کا نفاذ فرمایا۔ احادیث کتب میں متعدد احادیث ملتی ہیں اس ضمن میں امام بخاری نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے:

"حَدثنا حجاج بن مھال حدثنا ھمام عن قتادہ عن انس بن مالک ان یھودیا رض راس جاریۃ بین حجرین فقیل لھا من فعل بک ھذا افلان حتی سمی الییہودی فاتی بہ النبی ﷺ فلم یزل بہ حتی اقر بہ فرض راسہ بالحجارۃ۔"11

”حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا پھر اس

لڑکی سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ یہ کام کس نے کیا ؟ فلاں نے؟ یہاں تک کہ نام لیا گیا یہودی کا (تو لڑکی نے اشارہ سے ہاں کہا) پھر اس یہودی کو نبی اکرمﷺ کے پاس لایا گیا تو اس سے پوچھ کچھ مسلسل ہوتی رہی یہاں تک کہ اس نے اقرار کر لیا چناں چہ اس کا سر بھی پتھروں سے کچلا گیا“۔

موت کی سزا جیسا کہ قانون قصاص میں دی جاتی ہے اور اس کے پیش نظر افراد نسل انسانی کو تحفظ جان کی فراہمی کا یقینی بنانا ہے۔ اس طرح کچھ جرائم ایسے ہوتے ہیں جو ملکی استحکام و سالمیت کے لیے خطرہ اور انسانی جانوں کے ضیاع کا باعث بنتے ہیں ایسی صورتوں میں سزائے موت بطور حد یا تعزیر کے دی جاتی ہے۔

سزائے موت بطور حد شرعی، حجیت :

حدود وہ ناقابل تغیر قوانین واحکام ہیں جو شارع نے وضع فرمائے ہیں۔ حدود اللہ مستقل اصولی احکام کا درجہ رکھتے ہیں جو ناقابل تغیر و تبدل اور مستقل بالذات ہیں۔ ڈاکواور راہزن جو کہ فساد انگیزی پھیلاتے ہیں کے متعلق قرآن عظیم الشان میں حکم نازل ہوا ہے جس میں ایسے مفسدین کے لیے سزائے موت جیسی انتہائی نوعیت کی سزا کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ الله وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآَخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ"12

”جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے دوڑتے ہیں ان کی سزایہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائےیا ان کو سولی پر چڑھا دیا جائے ان کے ہاتھ پاوں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے “۔

مذکورہ بالاآیت کی تفسیر کے ضمن میں امام ابوبکر جصاص نے اپنی تفسیر میں امام ابو حنیفہؒ کی روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"امام ابو حنیفہ نے حماد سے روایت کی ہے انھوں نے ابراہیم نخعی سے کہ ایک شخص رہزنی کرتا، مال لوٹتا اور لوگوں کے خون سے ہاتھ بھی رنگتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں امام المسلمین کو اختیار ہوگا چاہے تو اس کے ہاتھ اور پاوں مخالف سے کاٹ کر اسے قتل کر دے اور بعد ازاں سولی پر لٹکا دے اور اگر چاہے تو ہاتھ پاوں کاٹے بغیر سولی پر لٹکا دے، اگر چاہے تو پھانسی دیے بغیر صرف اس کی گردان اڑا سکتا ہے "13

حرابہ (راہزنی، ڈکیتی )اور فساد فی الارض ایسے جرائم ہیں جن جو ایک صالح معاشرت کے لیے زہر قاتل ہیں، ان کی وجہ سے ایک صالح معاشرت کا پورا نظام بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے قرآن حکیم میں اتنی سخت سزائیں مقرر ہیں۔ سزائے موت بطور حد کی شرعی حیثیت کی مزید وضاحت کے لیے تفسیر مظہر ی میں موجود اس آیت کی وضاحت درج کی جارہی ہے :

"اللہ سے لڑنے کا معنی ہے اللہ کے بندوں سے جنگ کرنا۔ اللہ کا رسول راہ زندگی کا محافظ ہے اور اس کے جانشین خلیفہ ہوں یا بادشاہ رسول کے نائب ہیں (ان سب سے جنگ اللہ سے جنگ ہے) یا اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کرنے سے مراد ہے دونوں احکام کی مخالفت اور اللہ کی قائم کی ہوئی حرمت مالی وجانی میں رخنہ اندازی، بیضاوی نے لکھا ہے حرب کا اصلی معنی ہے چھیننا، قاموس میں ہے کہ حرب کا معنی معروف ہے (یعنی جنگ) اور مال چھیننے کو بھی کہتے ہیں۔ بیضاوی کے کلام سے ثابت ہورہا ہے کہ لفظ حرب منقول ہے اور قاموس کی صراحت بتا رہی ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے۔ "14

کتب حدیث میں اس آیت کے ضمن میں ایک واقعہ جو زمانہ نبوت میں پیش آیا بیان کیا گیا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے مختلف اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے :

"حَدثنا موسی بن اسماعیل عن وھب عن ابی قلابۃ عن انس قال قدم رھط من عکل علی النبیﷺ کانوا فی الصفۃ فاجتووا المدینۃ فقالوا یا رسول اللہ ابغنا رسلا فقال ما اجدلکم الا ان تلحقوا بابل رسول اللہ فاتوھا فشربوا من البانھا و ابوالھا حتی صحوا و سمنوا وقتلوا الراعی استاقوا الزود فاتی النبی الصریخ فبعث الطلب فی اثارھم فما ترجل النھار حتی اتی بھم فامر بمسامیر فاحمیت فکحلھم وقطع ایدیھم و ارجلھم وما حسمھم ثم القوا فی الحرۃ یستسقون فما سقوا حتی ماتوا قال ابو قلابۃ سرقوا وقتلوا و حاربوا اللہ ورسولہ 15

"حضرت انس نے بیان کیا کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ نبی اکرمﷺ کے پاس آئے اور یہ لوگ صفہ میں (جہاں مسجد نبوی کے سائبان میں غریب رہتے تھے) ٹھہرے لیکن مدینہ منورہ کی آب و ہوا انھیں موافق نہیں آئی (بیمار پڑ گئے ) تو ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لیے دودھ تلاش کر دیجئے (رسل بکسر الرا بمعنی لبن دودھ ) تو آنحضوﷺ نے فرمایا کہ یہ تو میرے پاس نہیں ہے مگر یہ کہ تم لوگ رسول اللہ کے اونٹوں میں چلے جاو چناں چہ وہ لوگ اونٹوں میں آئے اور ان کا دودھ اور پیشاب پیا یہاں تک کہ وہ صحت مند اور موٹے تازے ہوگئے پھر انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے پھر نبی اکرم ﷺ پاس فریادی پہنچا تو حضور اقدس ؐ نے ان کے پیچھے تلاش کرنے والوں کو بھیجا ابھی دن بلند نہیں ہوا کہ ان لوگوں کو لایا گیا پھر حضورﷺ نے سلائیوں کو گرمانے کا حکم دیا اور سلائیاں گرم کی گئیں پھر ان کی آنکھوں میں پھیر دیا (یعنی ان کی آنکھیں ختم کر دی گئیں ) اور ان کے ہاتھ پاوں کو کٹوایا اور ان کے زخموں کو نہیں داغا پھر وہ حرہ (پتھریلی زمین) میں ڈال دیئے گئے وہ پانی طلب کرتے تھے لیکن پانی نہیں دیا گیا یہاں تک کہ سب مر گئے ابو قلابہ نے بیان کیا کہ یہ اس وجہ سے کیا گیا کہ ان لوگوں نے چوری کی تھی، قتل کیا تھا اور اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کی۔"

صاحب ہدایہ نے اس حکم شرعی کی وضاحت کچھ اس طرح سے فرمائی ہے :

"اور اگر ان لوگوں نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے لیا اور یہ مال اتنا ہو کہ اس جماعت پر وہ مال تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو دس درہم یا اس سے زیادہ مل جائے یا ایسی چیز ہو جس کی قیمت اتنی ہو تب امام وقت ان لوگوں کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاوں کو کاٹ ڈالے اور اگر ان لوگوں نے صرف قتل کیا ہو یعنی مال نہ لیا ہو تو امام ان کو قتل کرکے قصاص میں قتل کر ڈالے اور اگر مال بھی لیا ہو قتل بھی کیا ہو تو یہ چوتھی صورت ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ ان ڈاکوؤں نے لوگوں کو قتل بھی کیا اور ان سے مال بھی لیا تو اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ان کو صرف سولی دے ہاتھ اور بائیں پاوں کاٹ دے اور ان کو قتل بھی کردے۔ یا سولی دیدے اور اگر چاہے تو ان کو قتل کرے یا اگر چاہے تو ان کو صرف سولی دے۔ "16

ان نصوص کی روشنی میں اس حد شرعی کی چار صورتیں ہیں: 1۔ اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا ہو اور مال بھی لیا تو قتل کیے جائیں گے اور سولی پر چڑھائے جائیں گے۔ 2۔اگر قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو قتل کیے جائیں گے۔ 3۔ اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں گے۔ 4۔ اور اگر راہزنی کے لیے بیٹھ گئے جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہو تو زمین سے دور کر دیے جائیں گے ( یعنی جیل میں ڈال دیئے جائیں گے ) تاکہ خلق خدا کو ان کی شر سے محفوظ کیا جاسکے۔

مذکورہ بالا نصوص کی مزید وضاحت کے لیے امام قرطبیؒ کی تفسیر کا حوالہ دینایہاں بے جا نہ ہو گا جس سے اس مسئلے کی نوعیت پر مکمل روشنی پڑتی ہے۔ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کچھ اس طرح فرماتے ہیں۔

"جب محارب (ڈاکو) لوگ لوگوں کو ڈرائیں اور ڈاکہ ڈالیں تو دعوت اسلام دیئے بغیر امام کا انھیں قتل کرنا واجب ہے اور مسلمانوں پر ان کے قتل پر تعاون واجب ہے اور مسلمانوں سے ان کی اذیت روکنا واجب ہے، اگر وہ شکست کھاجائیں تو ان کا پیچھا نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ انھوں نے قتل کیا ہو اور مال لوٹا ہو۔ اگر انھوں نے ایسا کیا ہوگا تو اس کو پکڑنے کے لیے جنایت کی حد قائم کرنے کے لیے ان کا پیچھا کیا جائے اور زخمیوں کا تعاقب نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس نے قتل کیا ہو۔ "17

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ شارع شریعت ہیں حکیم و علیم ہیں اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے اور مصالح انسانی کے پیش نظر ہے۔ اس حوالے سے سزائے موت میں معاشرتی نفسیاتی اور سیاسی حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں جس کے فلسفے

اور حکمت پر ذیل میں روشنی ڈالی جارہی ہے۔

سزائے موت ( غایت و حکمت)

1۔ نفسیاتی حکمت 2۔ سیاسی حکمت 3۔ معاشرتی حکمت

1۔ نفسیاتی حکمت:

انسانی نفسیات اپنی نوعیت کے اعتبار سے پیچید ہ معاملہ ہے۔ اسی اعتبار سے انسان کو گونا گوں خصوصیات کا حامل ہے جن کی بنا پر اشرف المخلوقات ہو کر کائنات میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے اپنے قریبی خونی رشتوں سے حد درجہ کی محبت رکھتا ہے اور یہ محبت اس رحم کا نتیجہ ہے جو اس کے وجود میں رب رحمن و رحیم نے ودیعت فرمائی ہے۔ اسی بنا پر وہ اپنے قریبی رشتوں سے گہرا نفسیاتی و جذباتی تعلق رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ ان رشتوں کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا، اور ان کے جانی نقصان کی صورت میں انتقامی نفسیات کا جنم لینا ایک فطری امر ہے۔ انتقام کی یہ نفسیات پورے خاندان و قبیلہ کو جنگ کی آگ میں جھونک سکتی ہے اور تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے۔ اسی لیے قرآن نے اس نفسیاتی حکمت کے پیش نظر اس امر کی وضاحت کچھ یوں فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ الله إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا"18

"قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلوما نہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔ "

اس نفسیاتی نکتہ کی وضاحت مولانا مفتی شفیع نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے :

" یہ حق مقتول کے ولی کا ہے، اگر نسبی ولی کوئی موجود نہیں تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی ایک حیثیت سے مسلمانوں کا ولی ہے۔ "19

ایسی صورت میں حکومت وقت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ حدود اللہ اور قصاص کے قوانین کا اطلاق ایک اسلامی ریاست کی حدود کے اندر کرنے کا انتظام کرے جس سے متاثرہ قبیلہ و خاندان کے اس انتقامی جذبہ کی تشفی ہو جاتی ہے اور منفی نفسیات جنم نہیں لیتی۔ مذکورہ نص قرآن کی وضاحت میں مولانا سید ابو الاعلی مودودی نے بڑی عمدہ تفسیر فرمائی ہے :

"کوئی شخص یا گروہ بطور خود قتل کا انتقام لینے کا مجاز نہیں ہے بل کہ یہ منصب اسلامی حکومت کا ہے کہ حصول انصاف کے لیے اس سے مدد مانگی جائے۔ "20

معاشرہ انسانی اسی وقت فساد سے بچ سکتا ہے جب معاشرے میں فوری انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے اس

لیے مقتول کے ولی کو یہ اختیار دیا گیا ہے تاکہ اس کے جذبہ انتقام کی بروقت تشفی ہو۔ اسی میں نظم اجتماعی کی بقا ہے۔

2۔ سیاسی حکمت :

ایک ریاست کی سب سے بڑی ذمہ داری امن وامان کا قیام اور اپنی عمل داری کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ اگر ریاست میں تخریب کا ر عناصر تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہو کر ریاست کی رٹ کو چیلنج کریں اور امن وامان کو نقصان پہنچائیں تو ایسی صورت میں انتہائی نوعیت کی سزا یعنی سزائے موت عبرت کے طور پر تمام تخریب دشمن عناصر کے لیے ایک سبق ہوتی ہے جس سے ایک ریاست کو سیاسی استحکام میسر آتا ہے۔ اس سیاسی حکمت کو قرآن حکیم میں کچھ اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا۔ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا۔ سُنَّةَ الله فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ الله تَبْدِيلًا"۔21

”اگر منافقین، اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانےوالے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کاروائی کرنے کے لیے تمھیں اٹھا کھڑا کریں گے، پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمھارے ساتھ رہ سکیں گے۔ ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہو گی، جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آرہی ہے، اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاو گے“۔

لغت میں ارجاف سے مراد لوگوں میں خوف و ہراس، بے چینی و اضطراب پھیلانے اور لوگوں کے حوصلے پست کرنے کی غرض سے فتنہ انگیز خبروں کی افوائیں اڑانا ہے۔ ریاست مدینہ میں ایک گروہ جو منافقین اور شر انگیزی پھیلانے والا گروہ تھا اسی طرح کی خبریں پھیلاتا تھا۔ اس طرح کی خبریں اڑانا اسلامی ریاست کی رٹ کو نقصان پہنچاتا ہے اور ملک میں تخریبی سرگرمیوں کو پنپنے کا موقع بھی دیتا ہے۔ اسی بنا پر اس طرح کے ملعونین کے لیے ریاست انتہائی نوعیت کی کاروائی کرتی ہے۔ اس آیت کی بڑی عمدہ تفسیر جناب سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تفسیر میں پیش کی ہے :

” یعنی یہ اللہ کی شریعت کا ایک مستقل ضابطہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرے اور ریاست میں اس طرح کے مفسدین کو کبھی پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا جاتا، جب بھی کسی معاشرے اور ریاست کا نظام خدائی شریعت پر قائم ہوگا اس میں ایسے لوگوں کو پہلے متنبہ کر دیا جائے گا تاکہ وہ اپنی روش بدل دیں، اور پھر جب وہ باز نہ آئیں گے تو سختی کے ساتھ ان کا استیصال کر دیا جائے گا“۔22

ارتداد اور فساد فی الارض کا ارتکاب ایسے جرائم ہیں جو کسی بھی ریاست کی سیاسی عملداری کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے اور اس سے قانون کی بالادستی قائم نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں انتشار اور بغاوت کے پھیل جانے سے

ملکی سالمیت و استحکام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب نے اس بات کی وضاحت کچھ اس انداز میں فرمائی ہے :

” یہ سزا عام کفار کی نہیں، بے شمار نصوص قرآن و سنت اس پر شاہد ہیں کہ عام کفار کے لیے شریعت اسلامی کا یہ قانون نہیں ہے۔ بل کہ

قانون یہ ہے کہ اول ان کو دعوت اسلام دی جائے، ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تابع ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے۔ ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ ہی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقا قید و قتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ اور جب کوئی مسلمان احکام اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو اصطلاح شرع میں مرتد کہلاتا ہے۔ اس کے ساتھ شریعت اسلام میں کوئی مصالحت نہیں بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اور احکام اسلام کو قولا ًو عملا ًتسلیم کرلے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا“۔23

ریاستی عملداری کو برقرار رکھنے اور لوگوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لیےریاست انتہائی اقدام بھی اٹھا سکتی ہے۔ اس طرح کی تخریبی و ملک دشمن عناصر کے لیے اللہ کا ضابطہ و سنت یہی ہے تاکہ اس ناسور زدہ حصہ کو کاٹ کر باقی جسم کو ہلاکت سے بچایا جاسکے۔

"حضرت عمرؓ نےسیاست شرعیہ کے تحت شخص واحد کے قتل میں شریک جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا۔"24

خلفائے راشدین نے بھی انسانی جان و مال اور آبرو، ملکی استحکام و سالمیت اور دین الٰہی کے قیام و تمکنت کی غرض سے دشمن و تخریب کار عناصر کو حدود اللہ اور تعزیرات کے تحت سزائے موت دی۔ خلفائے راشدین نے شریعت کی اس اساسی روح کو سمجھ کر اس کے مطابق پورے قانونی ڈھانچہ کو تشکیل فرمایا اور حکومت الٰہی کو استحکام و تحفظ فراہم کیا۔

3۔ معاشرتی حکمت:

ایک انسانی معاشرہ کا قیام و استحکام بنیادی طور پر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور ان کی حفاظت پر منحصر ہے۔

ان مصالح کا انتظام اگر بٖگڑ جائے تو پورا انسانی معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے یہ مصالح درج ذیل ہیں۔ دین، نفس، عقل، نسل اور مال وغیرہ ان مصالح پر انسانی معاشرہ کا قیام ہے۔ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اس کے ثبوت ملتے ہیں۔ اسلام انسانوں کو ایک ایسا معاشرہ فراہم کرتا ہے جس میں ان تمام کی حرمت محفوظ ہوتی ہے۔ معاشرے کی اصلاح اور ان مصالح انسانی کی حفاظت کی خاطر بھی انتہائی نوعیت کی سزا یعنی سزائے موت دی جاتی ہے تاکہ معاشرہ کی اصلاح کا بندوبست کیا جاسکے اور معاشرہ انسانی میں انسانی جان و مال اور آبرو کی حفاظت یقینی ہو۔ اس ضمن میں امام شاہ ولی اللہؒ نے بڑے ہی عمدہ انداز میں اس کی حکمت کو بیان فرمایا ہے :

”حیوانات کی جبلت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی دوسرا حیوان یا انسان کو اپنا مقصد پورا کرنے سے روکتا ہے تو ان کی قوت غضبیہ ہیجان میں آتی ہے اور وہ اس کا مقابلے کرنے پر اتر آتے ہیں۔ اس مڈ بھیڑ میں اگر ان کا مزاحم موت کے گھاٹ اتر جائے یا سخت زخمی ہو جائے تو وہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ انسان کی فطرت بھی اسی بارے میں ان سے مختلف نہیں (آخر وہ بھی تو ایک حیوان ہے) فرق صرف اتنا ہے کہ حیوان کسی محسوس یا موہوم خطرہ کے لیے لڑتا ہے لیکن انسان کی عقل اور اس کی فراست دور دور تک پہنچتی ہے اور وہ مستقبل کے خطرات کو قوت عاقلہ کی مددسے دریافت کر لیتا ہے ، علاوہ ازیں انسان اس کو یاد رکھتا ہے اور جب اس کو ناکامی ہوتی ہے تو اس سے اس کے دل میں حقداور بغض کا بیج بویا جاتا ہے جو مناسب موقعہ پر پیش آنے پر بارآور ہوتا ہے اور پھل لاتا ہے۔ اگر اس کو اپنے طرز عمل سے روکانہ جائے تو سوسائٹی کے نظام ترکیبی میں خلل عظیم ظہور پذیر ہو۔ قتل اور ضرب شدید کو اسی بنا پر جرم قرار دیا گیا۔ اس کی حرمت بھی مفصلہ بالا دیگر جرائم کی طرح فطری الہام کا نتیجہ ہے، یہ اور بات ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی عظیم الشان مصلحت ہو۔ مثلا قصاص کے طور پر قتل کرنا، ڈاکوؤں اور رہزنوں کو سولی پرچڑھانا اور چور کا ہاتھ کاٹنا اور شراب خور کو درے مارنا وغیرہ“۔25

ایک فلاح یافتہ معاشرے کا قیام جو انسانی معاشرہ اور جنگل کے قانون میں حد فاصل قائم کر سکے اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب انسانوں کو ضابطہ و قانون الٰہی کا پابند بنا کر قتل و غارت گری اور فتنہ و فساد انگیزی سے باز رکھاجائے۔ حدود اللہ اور قصاص کائنات کے اصول کے مطابق جو بھی چیز اپنی فطرت سلیم سے ہٹ کر غیر مفید اور ضرر رساں بن جاتی ہے، اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے یا تو فطرت خود مٹا دیتی ہے، یا فطرت کی موافقت اختیار کرتے ہوئے انسان اس ضرر رساں چیز کو ختم کر دیتا ہے۔ بعینہ یہی قانون انسانی جسم کے اعضا پر لاگو ہوتا ہے۔ جب انسانی جسم کا کوئی عضو کینسر ذدہ ہو کر پورے انساانی وجود کے لیے نقصان کا باعث بن جائے تو طبیب اس حصہ کو کاٹ کر پورے وجود کو ہلاکت سے بچا لیتا ہے کیوں کہ اس میں پورے جسم کی زندگی ہے۔ قرآن حکیم میں اس آفاقی قانون کو کچھ اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جس سے عقل انسان کی تمام گتھیاں سلجھ جاتی ہیں نظم انسانی عین فطرت سلیم پر گامزن ہو کر فلاح کا حصول کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"26

” اور اے عقل مندو! تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو“۔

قصاص کے عمل کو زندگی سے تعبیر کرتے ہوئے مذکورہ بالا نص میں بڑے ہی بلیغ پیرائے میں اللہ تعالیٰ نے

اس عمل کی معاشرتی حکمت واضح فرمائی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس تعبیر کی وضاحت کچھ یوں فرمائی ہے :

"یہ معاشرہ کو تلقین ہے کہ قصاص کے معاملہ میں کسی سہل انگاری، کسی جانب داری، کسی چشم پوشی اور کسی بے جا رحم و مروت کو حائل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ جو کسی کو قتل کر دیتا ہے وہ صرف ایک شخص ہی کو قتل نہیں کرتا بل کہ ایک قانون کو قتل کرتا ہے جو سب کی جان کی حفاظت کا ضامن ہے اس وجہ سے وہ گویا سب ہی کو قتل کر دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا قصاص لے اس ضمانت کو بحال کریں جس میں سب کی زندگی ہے۔"27

ایک قاتل جو کسی انسان کو ناحق قتل کرتا ہے وہ گویا پوری انسانیت اور اس قانون کو قتل کر رہا ہے جو معاشرے میں سب کی جانوں کی حفاظت کا ضامن ہے اسی لیے قرآن عظیم الشان میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا"28

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی“۔

انسان کو دوسرے انسان کی جان کی حرمت اور اس کے احترام کی تربیت کا یہ عظیم درس ایک ایسے معاشرے کے قیام کا نقیب و داعی ہے کہ جس میں انسانی جان محفوظ ہو اور کسی کو ناحق قتل نہ کرے۔ اسی طرح سے قانون کی بالادستی بھی قائم رہتی ہے اور معاشرہ افراتفری اور عدم استحکام سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ اسی لیے ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ایک انسان کو زندگی بخشنے کو پوری انسانیت کو زندگی دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اسلوب نہایت ہی ذو معنی اور بصیرت افروز اسلوب ہے۔ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے :

”میر المومنین حضرت عثمانؓ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے آیا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، یہ سن کر معصوم خلیفہ نے فرمایا کیا تم اس بات پر آ مادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو، جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا نہیں۔ فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا۔ جاو واپس لوٹ جاو، میری یہی خواہش ہے، اللہ تمھیں اجر دے اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے،مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا میں بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر ؓ فرماتے ہیں "ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والاتمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو بچارہا ہے“۔29

مذکورہ بالا قرآنی نص کی وضاحت تفسیر بصیرت قرآن میں کچھ اس انداز سے کی گئی ہے جس سے اس حکم کی معاشرتی حکمت واضح ہوتی ہے :

”اسلامی قوانین میں قتل کے دو ہی جواز ہیں۔ (1) ایک ہے قاتل کا قتل۔ اس میں یہ شرط ہے کہ قاضی عدالت کے حکم سے مقدمہ چلا یا گیا ہو اور وہ اپنی تمام قانونی اور عدالتی منزلوں سے گزر چکا ہو۔ (2) دوسرے ملک میں فتنہ فساد کرنے والے یا بغاوت کرنے والوں کا قتل۔ اگر مجر م ایک شخص ہے یا ایک مختصر جماعت ہے تو اس میں بھی قاضی عدالت کے حکم کی شرط ہے۔ جب کہ مقدمہ اپنے تمام ضروری مراحل سے گزر چکا ہو۔ لیکن اگر فتنہ و فساد کرنے والوں کی ایک بڑی منظم یا غیر منظم جماعت ہے تو ان کے خلاف جہاد کی اجازت ہے بل کہ حکم ہے۔ اس کے علاوہ انسانی قتل بدترین ظلم اور جرم ہے۔ انسانی جان کی حرمت کو بتانے کے لیے اس سے زیادہ بھاری جملہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ " جس نے بلا جواز ایک جان لی اس نے گویا تمام جانیں لے لیں اور جس نے ایک جان بچائی اس نے تمام جانیں بچا لیں“۔30

اس قاتل کی مثال بھی اس ناسور زدہ جسمانی عضو کی سی ہے جس کو طبیب کاٹ کر پورے وجود کو ہلاکت سے بچاتا ہے۔ قاتل کو سزا دینے کے معاملے میں کسی بھی قسم کی رعایت برتنا نرمی سے کام لینا پورے معاشرے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

خلاصہ بحث

عصر جدید کی متمدن ریاستیں جہاں ایک طرف سزائے موت کو ظلم پر مبنی قانون قرار دے کر اللہ کے احکامات کا انکار کر رہی ہیں تو دوسری طرف اپنے توسیع پسندانہ عزائم اور اقتدار و غلبے کے نشے میں دنیا کی کمزور اقوام اور ملکوں کے وسائل پر قبضہ کرنے اور ان کو اپنی کالونیوں میں بدلنے کی غرض سے بم برسا کر پوری کی پوری انسانی آبادیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کردیتی ہیں، اور سینکڑوں انسانی جانوں کے قتل کی مرتکب ہوتی ہیں۔

دنیا کے ان متمدن اقوام کو سزائے موت کا قانون تو نظر آتا ہے جو سراسر انسانی فلاح و تحفظ جان و مال کے لیے لازمی ہے،

لیکن اس بربریت کو وہ امن کی خاطر لڑی جانے والی جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر تدبر بالحق کیا جائے تو حدود اللہ اور قصاص کے قوانین سراسر حکمت پر مبنی اور انسانی جانوں کے تحفظ کے ضامن ہیں۔ ان قوانین کے نفاذ میں انسانیت کی بقا مضمر ہے۔ اوپر بالا بحث میں اس فطری قانون کی مثال طبیب و مریض سے دی گئی ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو کہ حکیم ذات ہے وہ بھی انسانیت کو ہلاکت و تباہی سے بچانے کے لیے انسانوں کو قوانین دیتا ہے۔ سزائے موت میں زندگی کی تعبیر بڑی ذومعنی اور عمدہ تعبیر ہے جو عین اس آفاقی اصول و قانون کے موافق ہے۔

حوالہ جات

1۔ الروم 30 :30

2۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن،لاہور : فاران فاونڈیشن، 2012، ج 6، ص 94۔

3۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیا القرآن، لاہور: ضیاالقرآن پبلیکیشنز، 1399ھ، ج 3، ص 573۔

4۔ امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسی بن محمدالشاطبیؒ،" الموافقات فی اصول الشریعۃ"۔ مترجم مولانا عبد الرحمن کیلانی، لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، 1993، ج 2، ص 13۔

5۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب 2005ءص 415۔

6۔ البقرۃ 2: 178۔

7۔ مولانا سلامت علی خان، اسلامی قانون فوجداری، (ملتان : مکتبہ امدادیہ، س ن)، ص 189۔

8۔ مولانا امین احسن اصلاحی،تدبر قرآن۔ سابقہ حوالہ، ج 1، ص 432۔

9۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، لاہور: ترجمان القرآن، 2005، ج1، ص 139

10۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر قرطبی، تفسیر قرطبی، مترجم، پیرکرم شاہ الازہری، لاہور : ضیا القرآن پبلی کیشنز، 2012، ج 1، ص 708۔

11۔ مولانا محمد عثمان غنی، نصر الباری شرح صحیح بخاری، کراچی : مکتبۃ الشیخ، 2015، کتاب الدیات، باب سوال القاتل حتی بقر والاقرار فی الھدود، ج 12، ص 200۔

12۔ المائدہ 5 : 33۔

13۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص، احکام القرآن، مترجم مولانا عبد القیوم، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1999، ج 2، ص 442۔

14۔ پانی پتی، علامہ قاضی محمد ثنا اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، (کراچی: دار الاشاعت، 1999ء) ج 3، ص 296۔

15۔ مولانا محمد عثمان غنی، نصر الباری شرح صحیح بخاری، سابقہ حوالہ، کتاب المحاربین من اھل الکفر و الردۃ، باب لم یسق المرتدون حتی ما تو، ج 12، ص 141۔

16۔ مولانا جمیل احمد سکروڈھوی، اشرف الہدایہ شرح ہدایہ، کراچی : دارالاشاعت، 2009، ج6، ص 266۔

17۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن ابوبکرقرطبی، تفسیر قرطبی، سابقہ حوالہ، ج 3، ص 561۔

18۔ بنی اسرائیل 17 : 33۔

19۔ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2008، ج 2، ص 614۔

20۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، سابقہ حوالہ، ج 2، ص 614۔

21۔ الاحزاب 33 : 62، 60

22۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، سابقہ حوالہ، ج 4، ص133۔

23۔ مولانا مفتی شفیع عثمانی، معارف القرآن، سابقہ حوالہ، ج 7، ص 235۔

24۔ مولانا محمد تقی امینی، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2013، ص 219۔

25۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم، مولانا عبدالرحیم، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2006، ج 2، ص 307۔

26۔ البقرۃ 2: 179۔

27۔ مولانا امین احسن اصلاحی،تدبر قرآن۔ سابقہ حوالہ، ج 1، ص 435

28۔ المائدہ 5: 32۔

29۔ حافظ عماد الدین ابو الفدا ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مترجم، خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی، لاہور م مکتبہ قدوسیہ، 2006، ج 2، ص 61۔

30۔ مولانا محمد آصف قاسمی، تفسیر بصیرت قرآن، کراچی، مکتبہ بصیرت قرآن، 1998، ج1، ص 600۔

کتابیات:

1۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن،لاہور : فاران فاونڈیشن، 2012

2۔ امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسی بن محمد الشاطبیؒ، ،" الموافقات فی اصول الشریعۃ"۔ مترجم مولانا عبد الرحمن کیلانی، لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، 1993،

3۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، لاہور: ترجمان القرآن

4۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر قرطبی، تفسیر قرطبی، مترجم، پیرکرم شاہ الازہری، لاہور : ضیا القرآن پبلی کیشنز، 2012،

5۔ مولانا محمد عثمان غنی، نصر الباری شرح صحیح بخاری، کراچی : مکتبۃ الشیخ، 2015،

6۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص، احکام القرآن، مترجم مولانا عبد القیوم، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1999۔

7۔ مولانا جمیل احمدسکروڈھوی، اشرف الہدایہ شرح ہدایہ، کراچی : دارالاشاعت، 2009،

8۔ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2008

9۔ مولانا محمد تقی امینی، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2013،

10۔ حافظ عماد الدین ابو الفدا ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مترجم، خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی، لاہور م مکتبہ قدوسیہ، 2006

11۔ مولانا محمد آصف قاسمی، تفسیر بصیرت قرآن، کراچی، مکتبہ بصیرت قرآن، 1998

12۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیا القرآن، لاہور: ضیاالقرآن پبلیکیشنز، 1399ھ

13۔ علامہ قاضی محمد ثنا اللہ عثمانی پانی پتی، تفسیر مظہری، کراچی: دار الاشاعت، 1999ء

14۔ مولانا سلامت علی خان، اسلامی قانون فوجداری، ملتان : مکتبہ امدادیہ، س ن

15۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب 2005ء۔

1. ۔ ایم فل اسکالر یونی ورسٹی آف بلوچستان [↑](#footnote-ref-1)
2. ۔ چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، یونی ورسٹی آف بلوچستان [↑](#footnote-ref-2)